Fikr-o-Nasar (Islamabad) 25:3 (1988)

سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کی ادب شناسی ـ

امیر خسرو ، علامہ اقبال اور . . .

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض

دار المصنفین اعظم گڑھ کے ناظم سید صباح الدین عبدالرحمن ۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء کو ایک حادثے میں راھی عالم بقا ہوئے ـ عجیب اتفاق ہے کہ ٦۳ برس پہلے اس ادارے کے بانی اور ,,واقف،، شمس العلماء شبلی نعمانیؒ (۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء) کا بھی اسی تاریخ کو انتقال ہوا تھا ـ سید صباح الدین ، شاہ معین الحق کے جانشین تھے اور دار المصنفین کے چوتھے ناظم ـ ان کے دور نظامت میں ماھنامہ ,, معارف ،، اپنے معیار کو قائم رکھتے ہوئے بروقت شائع ہوتا رہا ـ اشاعت کتب کا اہتمام بھی قابل توصیف نظر آتا ہے ـ مولانا سید صباح الدین تصنیف و تالیف کے کام میں ھی جواں ہمت نہ تھے ، وہ سفر کے لئے بے تردد روانہ ہو جانے کا حوصلہ پیدا کر لیتے تھے ـ ان کے اس حوصلے سے مجھ ایسے کئی دوسرے پاکستانی ملاقات سے بار بار مشرف ہوتے رہے ـ چند سال پہلے ان سے یوں ھی بات ہوئی کہ علامہ اقبال کے علامہ سید سلیمان ندوی کے نام لکھے ہوئے خطوط کی اگر نقول مل جائیں ، تو یہ ایک متاع گرانمایہ ہوگی ـ سید صباح الدین نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے شبلی منزل سے مطلوبہ خطوط بھجوا دیئے ـ سید مرحوم علم و ادب کے شیدائی تھے ـ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں اقبال صدی کی

مناسبت سے کوئی تحریر بھیجنے کے لئے مجھے تہران خط لکھا ۔ تعمیل ارشاد میں لکھا جانے والا میرا مقالہ اگست اور ستمبر ۱۹۷۷ء کے ,, معارف،، میں درج ہے ۔ دسمبر ۱۹۷۷ء میں آپ اقبال صدی کی تقریبات میں شرکت کرنے پاکستان آئے ۔ اس دوران وہ شرکاء اور مندوبین سے ملے اور واپسی پر ہر ایک کے بارے میں اپنے جو پاکیزہ تاثرات وہ ,, معارف ،، کے اوراق میں شائع کرواتے رہے ، وہ ان کے اعلی ذوق اور وسعت ظرف پر شاھد ناطق ھیں ۔

,,دار المصنفین ،، کا ھر رفیق اور ناظم علم و تحقیق کے میدان کا فرد وحید رھا ہے ۔ سید صباح الدین بھی معتدبہ مقالوں اور کتابوں کے مصنف ھیں ۔ بزم تیموریہ، بزم صوفیہ اور کئی تراجم اور خطبے ان کی یادگار ھیں ۔ ان کی بعض تحریریں اور تقریریں ابھی ھندوپاکستان میں شائع ھوں گی ۔ سید مرحوم کئی علوم اور زبانیں جانتے تھے ۔ میں ان کے موضوعات میں ,, ادب ،، کی طرف رجوع کرتا ھوں وہ بھی امیر خسرو اور علامہ اقبال کے بارے میں ایک ایک مبسوط کتاب پر ان کے تبصروں کی روشنی میں۔سرسری اور رسمی نوعیت کے تبصرے تو اکثر لوگ لکھتے ھیں مگر یہ تبصرے ایک نوع کی فہرست نگاری ھوتی ہے ۔ اصل تبصرہ وہ ہے جس میں مبصر کتاب کی روح میں ڈوب کر بات کرے اور کتاب کے خوب و ناخوب کو پرکھے ، مگر جن کتابوں پر سید صباح الدین ایسے بے بدل عالم کا دل و دماغ متوجہ ھو وہ خال خال ھی تخلیق ھوتی ھیں ۔ لہذا ایسی کتابوں کے نتائج بحث سے اتفاق ھو یا اختلاف ، ان کے مصنفین ایسے تبصروں پر فخر کر سکتے ھیں ۔

خسرو شناسی :

سید صباح الدین نے ماھنامہ ,,فکرونظر،، کے نومبر اور دسمبر ۱۹۷۸ء کے شماروں میں مشہور ترقی پسند دانشور اور محقق پروفیسر

ممتاز حسین کی کتاب ,, امیر خسرو دھلوی حیات اور شاعری ،، پر ایک مفصل تبصرہ لکھا جسے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے ۱۹۷۹ء کے اوائل میں ۵۰ صفحے کے ایک کتابچے کی صورت میں جداگانہ طور پر بھی شائع کر دیا ۔ تقریباً ساڑھے چار سو صفحات (مع اشاریہ ۴۸۰ صفحے) کی یہ کتاب یونیسکو کے زیر اہتمام نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شائع کی ۔ امیر خسرو کی تقریبات کی مناسبت سے سرورق پر اکتوبر ۱۹۷۵ء مرقوم ہے مگر کتاب ۱۹۷۶ء میں چھپی ۔ دس سال بعد ۱۹۸۶ء میں سعد مطبوعات کراچی نے انگریزی میں ۸۴ صفحات پر مبنی مصنف کا لکھا ہوا اس کا ایک خلاصہ شائع کیا ۔ عنوان اس کا بھی ,, امیر خسرو دھلوی ،، ہے ۔ ان کتابوں میں نئے تحقیقی دعوؤں سے امیر خسرو کی زندگی کے کئی مسلمات کے بارے میں رد و کد کیا گیا اور ان کی صوفیانہ زندگی اور پاکیزگی سیرت کا برملا انکار کیا گیا ہے ۔ سید صباح الدین نے ,, بزم صوفیہ ،، کے مصنف ہونے کا حق ادا کیا اور امیر خسرو کا علمی انداز میں دفاع کیا ۔ میں اسے توارد تحقیق ھی کہوں گا کہ ان ھی دنوں بشیر احمد ڈار مرحوم نے امیر خسرو کے صوفی ہونے کی تردید میں ۲۲ صفحے کا ایک مقالہ بزبان انگریزی شائع کروایا تھا ۔ ڈار مرحوم اپنی اختلاف آمیز تحریریں ,, خواجہ بدر (۱) ،، کے قلمی نام سے شائع کرواتے رہے اور زیر نظر مقالہ سہ ماھی اقبال ریویو بابت اپریل ۱۹۷۶ء میں دیکھا جا سکتا ہے (صفحہ ۱۱ تا ۳۲، ,, امیر خسرو اور معاصر تصوف ،،) ۔ یہ مقالہ تو سید صباح الدین کی نظر سے نہ گذرا البتہ ممتاز حسین صاحب کی کتاب کے مختصر جملے بلکہ الفاظ تک ان کی تیز بین نگاہ کی زد میں آئے ۔ مگر اس تبصرے سے حقیقی لطف اندوز ہونے کے لئے کسی قدر خسرو دانی ناگزیر ہے ۔ میں اس تبصرے کی حدود و ثغور کے مطابق امیر خسرو کی حیات و تصانیف کا مختصر ذکر کروں

گا تاکه یه معلوم هو سکے که صاحب شعر العجم کے اس جانشین سوم کی خسرو شناسی کس پائے کی تھی ۔

امیر خسرو کے آباء واجداد کا تعلق ماوراء النہر سے تھا ۔ ان کے والد سیف الدین چینی منگولوں کی یورش کے دوران برصغیر میں وارد هوئے اور آگرہ سے متصل ضلع اٹاہ کے موضع پٹیالی میں رهنے لگے جسے مومن پورہ بھی کہتے هیں ۔ یہاں وہ سلطان شمس الدین ایلتتمش (۶۰۷ـ ۶۳۳ھ) کی فوج میں ملازم هوئے اور امیر عماد الملک کے داماد بنے۔خسرو ۶۵۱ھ کے کسی روز و ماہ میں پیدا هوئے ۔ ابھی وہ سات برس کے تھے که والد کا انتقال هو گیا ۔ ان کی تعلیم و تربیت کا اهتمام ان کی والدہ اور نانا نے کیا ۔ بیس برس کی عمر تک وہ باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے میں منہمک رهے ۔ وہ علوم متداول کے ماهر ، شاعر ، موسیقی دان اور خوش نویس تھے ۔ دور طفلی سے شعر کہنے شروع کر دیئے اور ۱۶ سال کی عمر سے کہے هوئے ان کے اشعار محفوظ هیں ۔ اپنی ۷۵ ساله زندگی کے کوئی ۵۵ برس (و ۷۲۵ھ) وہ معاصر بادشاهوں اور امراء کے هاں ملک الشعراء کی حیثیت سے جانے جاتے تھے ۔ وہ حضرت خواجه نظام الدین چشتی دهلویؒ (۶۳۳ ـ ۷۲۵ھ) کے مرید صادق تھے ۔ چونکه انھوں نے معاصر سیاست میں حصه نه لیا ، لہذا کسی بادشاہ یا امیر نے ان سے تعرض نه کیا (۲) ۔

امیر خسرو نے نظامی (و ۶۱۰ھ) کی تقلید میں خمسه لکھا جو مجموعی طور پر دوسرے خمسوں سے برتر ہے : مطلع الانوار ، سیرین و خسرو ، مجنون و لیلیٰ ، آئینه سکندری اور هشت بہشت ان کی مثنویوں کے نام هیں ۔ انھوں نے شیخ سعدی کی طرح اپنے دیوان جدا جدا مرتب کئے ۔ یه دیوان شاعر کی عمر کے مختلف ادوار بتاتے هیں اور هر ایک کے آغاز میں شاعر نے دلچسپ دیباچه بھی لکھا ہے : تحفة الصغر ۱۶ سے ۱۹ سال ، وسط الحیاة ۱۹ سے ۲۳ سال ، غرة الکمال

۲۳ سے ۳۴ سال ، بقیہ نقیہ ۳۴ سے ٦٦ سال اور نہایۃ الکمال ٦٦ سے ۷۵ سال یعنی آخری نو سالوں کا کلام ہے۔ پہلے چوتھے اور پانچویں دیوانوں کے دیباچے ابھی غیر مطبوعہ تھے اور راقم نے حال ھی میں انہیں شائع کروایا ہے (۳) ۔

امیر خسرو کی چند تاریخی کتابیں ھیں : (۱) قران السعدین (سلطان بغرا خان اور اس کے بیٹے معز الدین کیقباد کا صلح نامہ ہے) (۲) مثنوی مفتاح الفتوح (سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کی چار فتوحات کا ذکر ہے) (۳) مثنوی عشقیہ یاخضرخان و دول رانی (سلطان علاء الدین خلجی کے بیٹے اور سلطان گجرات کی بیٹی کی داستان محبت ہے جسے خسرو نے فرمائش پر لکھا ہے) ۔ (۴) مثنوی نہ سپہر ، (سلطان مبارک شاہ خلجی کے عہد کے جاہ و جلال کی روداد پر مشتمل ہے ۔ مثنوی نو بحروں میں منقسم ہے اور اس میں فضائل ھند کا بیان بھی ہے سید صباح الدین عبدالرحمن نے اس مثنوی پر ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا) ۔ تغلق نامہ امیر خسرو کی آخری مثنوی ہے (مولفہ ۷۲۵ھ) جو سلطان غیاث الدین تغلق کے نام معنون ہے۔ مندرجہ بالا ۱۵ کتابیں منظوم ھیں ۔ ان کے علاوہ خسرو نے تین نثری کتابیں بھی لکھی ھیں اور ان کا حوالہ مولانا سید صباح الدین کے تبصرے میں بھی ہے: (۱) اعجاز خسروی یا رسائل الاعجاز۔ (اس ضخیم کتاب کے پانچ ابواب ھیں اور اس میں ادبی ، عروضی اسالیبی اور نقد شعر کی بحثیں ملتی ھیں) (۲) تاریخ علائی، (سلطان علاء الدین خلجی کے ۱۴ سالہ پورے دور (٦۹۵ ۔ ۷۱۱ ھ) کی مختصر مگر مستند تاریخ ہے) ۔ (۳) افضل الفوائد اور راحۃ المحبین ۔ (شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات ھیں جنھیں پروفیسر ممتاز حسین بے سند و دلیل جعلی قرار دیتے ھیں) ۔

امیر خسرو کی مذکورہ بالا ۱۸ کتب انہیں نثر و نظم کی جامع شخصیت ثابت کرتی ہیں اور ان کی اس جامعیت کو علامہ شبلی نے شعر العجم جلد دوم میں نہایت حسن و خوبی سے بیان کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ تین لاکھ سے زیادہ شعر کہنا، خاص تعداد اور مقدار میں منثور کتابیں لکھنا ، سپاہ گری و دربار داری کے تقاضے پورے کرنا اور صوفیانہ پاکیزہ زندگی گذارنا ، سعادت ازلی کے بغیر ممکن نہیں۔

تبصرہ و محاکمہ :

راقم الحروف نے کتاب ۱۹۷۶ء میں پڑھی مگر انتقاد لکھنے کا داعیہ پیدا نہ ہوا۔ مصنف نے چونکہ ابتدائیے میں لکھا تھا کہ وہ ۱۹۷۱ء سے خسرو خوانی میں مصروف رہے اور نئی باتیں لکھ رہے ہیں ، اس لئے کتاب کا پڑھنا محبان خسرو کیلئے ضروری تھا۔ ایک بزرگ محقق سے بات ہوئی ، کہنے لگے کہ ,, مصنف نے جو بھی لکھا سو لکھا مگر وہ چیخیے اور اترائے بہت ہیں ،، . بعد میں جب مولانا سید صباح الدین کا تبصرہ پڑھا تو یہ بات قند مکرر کے طور پر بہتر انداز میں ملی۔ وہ لکھتے ہیں :

,, مصنف کی کتاب میں ,, منم،، کا اظہار جس فراوانی کے ساتھ کیا گیا ، وہ تصنیفی خوش سلیقگی کی دلیل نہیں۔ صیغہ واحد متکلم کا استعمال کسی اچھے اہل قلم کے ہاں کہیں کہیں ملتا ہے لیکن ہمارے مصنف کے یہاں اس کی بہتات ہے اور اگر وہ اپنی کتاب کو بہت غور سے پڑھیں تو کہیں کہیں واحد و جمع کے علاوہ محاوروں، روزمروں اور جملوں کی ترکیبوں میں بھی ان کو خود غلطیاں نظر آئیں گی۔ وہ بتائیں کہ یہ جملے اور فقرے کہاں تک صحیح اور فصیح ہیں ؟ جو ..... مشاہیر میں سے ہیں (ص ٦٦) ازروئے انکساری امی لکھا ہے (ص ۱۲۹) یہ بات متحقق ہو سکے (ص ۳۹)

ساری باتیں میں خود ھی محقق کرسکوں (ص۹۱) حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بیعت کی (ص ۱٦۰) بمعنی غلام کے (ص ٦۴) بجز خسرو کے (ص ۲۵۲) ایک ھی تھالی کے چٹے بٹے تھے (ص ۲۱۱) ثمرات القدس کا ایک مستند مخطوطہ (ص ۹۷) یہ بتانا ضروری سا معلوم ھوتا ہے (ص ۳۸٦) ۔ حشو و زوائد کی تو بہت سی مثالیں ھیں،، (ص ۲۱ ، ۲۸) ۔

ناقد نے مصنف کے ,, منم ،، پر انتقاد کیا لیکن کس وقار اور تمکنت کے ساتھ۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے سابق ڈائریکٹر نے مولانا سید صباح الدین کے اس علمی اسلوب کو بجا طور پر سراھا ہے۔ :

,, ... مولانا نے مصنف کے اخذ کردہ بعض نتائج کا جائزہ لیا ہے اور بعض خیالات پر تنقید کی ہے ، لیکن جیسا کہ پڑھنے کے بعد خود معلوم ھو جائے گا ، ان کی تنقید تعمیری اور مثبت ہے اور جو باتیں انھوں نے کہی ھیں ، ان کے پیچھے دلائل ھیں ۔ ان کی تنقید کی بنیاد تحقیق پر ہے۔ جس بات کو انھوں نے حق سمجھا، اسے برملا کہہ ڈالا۔ تنقید میں ایک علمی سنجیدہ بات کس طرح کہنی چاھیے، اس کا نمونہ مولانا کی اس تحریر میں موجود ہے ،، ۔

پروفیسر ممتاز حسین نے جن تذکرہ نویسوں کا استہزاء کیا ہے ، ان میں تذکرہ الشعراء کا مصنف دولت شاہ سمر قندی زیادہ مطعون رھا ہے۔ جامی کا معاصر یہ تذکرہ نویس سنین کے معاملے میں لاپروا تھا اور تحقیق طلب بات کے بارے میں ,, گویند،، (لوگ کہتے ھیں) لکھ کر آگے بڑھتا رھا ۔ پروفیسر صاحب ,, گویند ، گویند،، سے بیزار تھے ۔ وہ بات تحقیق و تدقیق کے ساتھ کرنے کے مدعی تھے مگر اس کتاب میں کئی جگہ انھوں نے بھی ,, گویند ،، سے ھی کام چلایا ہے۔ وہ دولت شاہ کو ,,افسانہ پرداز اور یاوہ گو،، (ص ۴) کہتے ھیں ۔ مگر ھم اس تذکرہ نویس کی ایک ھی بڑی خامی جانتے ھیں جو

سنین سے بے توجہی کے بارے میں ہے۔ اسی سبب سے علامہ شبلی نعمانی نے بھی شعر العجم میں بعض درست سنین کا اندراج نہیں کیا۔

بہر طور ، پروفیسر صاحب کی تنقید کی زبان جیسی بھی ہو سید صباح الدین نہایت خوبصورت انداز میں ان کی ,, گویند،، والی تحقیق پر محاکمہ کرتے ہیں۔ بحث امیر خسرو کے قبیلے اور ان کے نانا کی راجپوتی نسبت سے متعلق ہے :

,, ... خسرو نے کہیں یہ بات نہیں کہی ہے کہ میری ماں یا میرے نانا ہندی الاصل تھے ، تو پھر کلیات خسرو کے حسب ذیل اقتباس کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ عماد الملک ایک ہندو راجہ تھے۔

,,ر اوت عارض که درکار آرائی مملکت هند همه تن رائے بود چنانکه اگر خواستی رائے را بگردانید یاد کردے ،،(ص ۴۷) ۔

اس کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے مصنف نے اس کی تصریح اس طرح کی ہے کہ :

,, کار آرائی مملکت ، میں ہمہ تن راجہ اور بہت آسانی سے رائے کو یار بنا لیتے تھے ،، (٧٦) ۔

مندرجہ بالا فارسی عبارت میں مصنف نے رائے کو راجہ اس لئے قرار دیدیا ہے کہ اسی طرح ان کی مطلب برآری ہوتی تھی مگر ان کے سوا کسی اور کو یہ تصریح قابل قبول نہیں ہو سکتی ہے بلکہ مضحک ہوگی ۔ ڈاکٹر وحید مرزا کے سامنے بھی یہ عبارت تھی وہ لکھتے ہیں کہ :

,,رائے،، کے حروف کو الٹ دیجیئے، تو یار ہو جاتے ہیں ۔ اسی مناسبت سے ,,رائے،، اور ,,یار،، کے الفاظ لائے گئے ہیں (ص ۲۹ لاہور ایڈیشن) .... ،، مصنف کی گویند والی تحقیق ملاحظہ ہو کہ وہ امیر خسرو کے ختائی یا قبچاقی ترک قبائل میں سے

کسی ایک سے انتساب کو قارئین کے ذوق تحقیق کی ضیافت کی خاطر کھلا چھوڑ دیتے ھیں (ص ۱۲۸) امیر خسرو کے نانا کے ھندوانہ دور کے نام کا اشارہ انھیں اس امیر کے بارے میں مرثیے میں نظر آتا ہے، مگر اس لغز کو بھی وہ حل نہیں کرتے (ص ۱۲۸) ۔ سید صباح الدین اسی لئے کہتے ھیں کہ ,, یہ بھی تحقیق کی عجیب نوعیت ہے ،، (.... ایک تنقیدی جائزہ ص ۳۲) ۔

مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن نے اپنے ,, ایک تنقیدی جائزہ میں ,, امیر خسرو دھلوی ، حیات اور شاعری ،، کی اھم تر غلط اور انحراف آمیز باتوں کا مسکت جواب دیا ہے ۔ یہاں اھم تر امور کی طرف اشارے کئے جاتے ھیں :

۱ ۔ خسرو ایک صوفی صافی اور اعلی سیرت و کردار کے حامل شخص تھے ۔

پروفیسر ممتاز حسین نے معاصر تواریخ و تذکروں کے بیانات سے قطع نظر، امیر خسرو کے بعض انکسار آمیز بیانات اور ان کی نثر و نظم کی دور کی توجیہات اور تاویلات کی مدد سے سیرت خسرو کی وہ تصویر پیش کی ہے جسے نقل کرنے سے بھی کوفت ھوتی ہے ۔ سید صباح الدین مرحوم نے خسرو کی اس حیثیت کا محققانہ اور پروقار طریقے سے دفاع کیا ہے ۔ اپنے تبصرہ کے آغاز میں ھی انھوں نے لکھا ہے:

,, مصنف نے امیر خسرو کی حیات کی ان تمام دل آویزیوں اور رعنائیوں کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے جو اب تک لوگوں کے ذھنوں پر چھائی ھوئی تھیں ۔ ان کی تمام تحقیقی تعبیرات اور ظنیات پر بحث کرنے میں میری یہ تحریر ناظرین کے لئے شاید صبر آزما ھو جائے ۔ اس سے ان کی بعض باتوں کی طرف ذھن منتقل کرانے ھی سے پوری کتاب کی نوعیت کا اندازہ ھو جائے گا ۔ امیر خسرو کی زندگی سے لے

کر اب تک تذکرہ نگاروں ، مؤرخوں اور نقادوں میں سے کسی نے ان کی سیرت اور کردار پر وہ حرف گیری نہیں کی ہے جو زیر نظر کتاب کے مصنف نے کی ہے۔ غیر مسلم اہل قلم بھی ان کے اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پاکیزگی کے معترف رہے ہیں ، مثلاً ہندوستان کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر تارا چند .... (ص ۱ ، ۲ تبصرہ) راقم کے نزدیک مولانا صباح الدین ڈاکٹر تارا چند کے بجائے کئی ان غیر مسلم اہل قلم کی شہادت قلم بند کر سکتے تھے جو امیر خسرو کے عہد سے اقرب رہے۔ بہرحال جس امیر خسرو کو لوگ ,, فخر الفقراء، برھان الفضلاء اور امیر الاولیاء ،، کہتے رہے (تبصرہ ص ۴) اسے بیسویں صدی عیسوی کے محقق نے ,, طماع هوس زر میں مبتلا ، کاذب اور سیاہ رو ،، (تبصرہ ص ۳) بلکہ سیاہ کار ، عاشق مزاج، عشق باز، گائیک اور نائیک ، ڈھاری ڈفالی کے جلیس، سازندوں کے ہم صحبت ، بدکردار سلاطین کا مدح خواں، ابن الوقت اور ستر سال کی عمر تک میں زندگی کی لذتوں کا دلدادہ وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (تبصرہ ص ۲ تا ۴) ۔ مصنف کے نزدیک خسرو کا اصل کام دربار داری تھا ۔ خواجہ نظام الدین اولیاء سے ارادت اور صحبت صوفیانہ تظاہر اور ریاکاری تھی ۔ وہ امیر خسرو کے قصائد کا حوالہ دیتے ہیں جن میں مدح امراء و سلاطین ہے۔ ان کے نزدیک امیر خسرو اور ان کے معاصر امیر حسن سجزی (۳) دھلوی کے درمیان سخت قسم کی حسد اور رقابت کار فرما رہی ہے۔ امیر خسرو کے دواوین اور منظوم کتب میں قصائد نو ہیں ، بقیہ تحقیقات مصنف کی اختراع ہے۔

امیر خسرو ساتویں/آٹھویں ھجری صدیوں کے تین ربعوں میں زندہ رہے جب سبک عراقی (غزل سرائی) کا رواج تھا ورنہ ساتویں صدی ھجری کے آغاز تک سبک خراسانی (قصیدہ گوئی) کے پیرووں نے قصیدہ گوئی میں کونسے مبالغہ و اغراق سے صرف نظر کیا تھا ۔ انوری

(و ۵۸۷ھ)، ظہیر (و ۵۹۸ھ) اور خاتانی (و ۵۹۵ھ) کے دواوین قصائد ھی دیکھ لیں ۔ ان کے مقابلے میں شیخ سعدی (و ٦۹۰ھ) یا ان کے مقلد امیر خسرو و غیرھم کے قصائد میں مبالغه آمیز مدح کم ملتی ہے اور اخلاق آموز پند ونصائح زیاده ۔ قصائد کے عیوب بھی ھیں مگر عصری تشہیر کے اس وسیلے نے زبان و بیان کو بے پناه وسعت اور شکوه مندی دی ہے ۔ امیر خسرو اپنے تیسرے دیوان کے دیباچے میں اسی بنا پر قصیده کو غزل سے فائق بتاتے ھیں ۔ البته نا اھل ممدوحوں کے قصائد لکھنے سے انہیں بھی ایسے ھی خفت لاحق تھی جیسے سرکار انگریزی کی مدح کرنے پر مرزا غالب کو (۵) ۔ امیر خسرو بڑے دیندار شخص تھے ۔ ان کی نثر و نظم اس بات پر شاھد ہے که قرآن مجید، احادیث رسول اور علوم دینی میں وه کس کس قدر تبحر رکھتے تھے ۔ یه ان کا بڑا کمال ہے که وه کوئی ۵۵ سال امراء و ملوک کی نظر میں محترم رھے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے اپنی ارادت و عقیدت کو انھوں نے روز افزوں رکھا ۔ وه اپنی ھر کتاب میں مرشد کا ذکر نہایت ارادت سے کرتے ھیں ۔

اس ضمن میں ان کے پنجگانه دواوین کے دیباچوں کا مطالعه دلچسپ ہے ۔ ان میں سے ھر دیباچے میں ان کی محبت شیخ افزونی کی مظہر ہے ۔ جو حضرات مراد و مرید کے ائتلاف و الفت کے منکر ھوں، ان سے کچھ کہنا عبث ہے ورنه امیر خسرو کی تحریر سے از خود خلوص مترشح ہے ۔ دیباچه دیوان چہارم بقیه نعتیه میں ان کے قلم سے شیخ کے اوصاف والقاب ملاحظه ھوں :

,,بر این بنده آنچه واجب بلکه فرض است ذکر شمائل و فضائل شیخ شیوخ العالم است که مرا مسکنت آموخت وطینت بنده ازسرشت طیب اوست که اخلاقم از دم طبیب او مطیب گشته است وھمه خیرھا پرورده انفاس اوست ۔ اوست شیخ شیوخ الاسلام .

مقتدی الانام فی الایام صدر صدور العظام واصحاب القلوب، بدر بدور الکمال بانوار الغیوب ، طالب نهج الرضا بما یمقله الله ، حافظ علی التتوی فی کل الحال . قامع الهدی ، جامع الدنیا والدین، قالع البدعات والخدعات، راسْ الاصفیا فی العصر باوصاف الصفا، مصباح ظرف الولایه فی ظلم الدنیا بلوامع الولا، حجة الرحمن علی الخلق (٦) ـ ...... (الخ) .

جیسا که پهلے ذکر هوا ، بشیر احمد ڈار مرحوم نے ,, خواجه بدر،، کے قلمی نام سے ان دنوں (اقبال ریویو اپریل ١٩٧٦ء) امیر خسرو کے صوفی هونے کے رد میں ایک مقاله تحریر کیا اور شائع کروایا ـ وه لکھتے هیں که امیر خسرو ، حضرت چراغ دهلوی (و ٧٥٧هـ) کے پائے کے صوفی نه تھے ـ وه سپاه گر اور دنیا دار قسم کے ,, نیک انسان ،، تھے ـ خواجه نظام الدین اولیاء کو ان کی موسیقی دانی اور شاعری سے لگاؤ تها ـ ڈار مرحوم ایسے ماهر تصوف (٧) ، نے اس رائے کا اظهار اس خاطر کیا که مقالے میں مذکور ان کے مآخذ معمولی سے تھے ـ راقم نے اس کا حواله اس خاطر دیا که دلچسپی رکھنے والے حضرات اسے بھی مطالعه کر لیں ـ

٢ ـ تحقیقی نکتے :

پروفیسر ممتاز حسین کی کتاب میں کئی تحقیقی نکتے هیں ـ بعض رطب کھرے جائیں گے اور اکثر یابس ـ

١) امیر خسرو کے والد کا نام محمود تھا یا لاچین؟ ـ امیر خسرو کے دیوان اول تحفة الصغر کے دیباچے کی رو سے ان کا نام لاچین تھا اور پروفیسر صاحب نے بھی اس پر اصرار کیا ہے (کتاب صفحه ٥١) ـ

٢) ملفوظات خواجه نظام الدین اولیاء موسوم به ,, افضل الفوائد وراحت المحبین ،، کے جامع کیا امیر خسرو هیں یا کوئی اور نیز کیا یه کتاب جعلی ہے ؟ پروفیسر صاحب نے اکا دکا دوسرے محققین کی طرح

اس انتساب کو موضوع اور جعلی قرار دیا ہے (کتاب امیر خسرو دهلوی .... ص ٢٠٧) ـ ان کی دلیل یه ہے که اس کے وافر مقدار میں مخطوطے نہیں ملتے ـ مولانا سید صباح الدین نے اس کے انتساب کا دفاع کیا ہے (تبصره ٣٨، ٣٩) ـ اگر خواجه حسن سنجری دهلوی نے اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ، تو امیر خسرو کا یه کام انجام دینا اچنبھے کا موجب کیوں هو ؟ امیر خسرو کی کتب کے نسبتاً بہت مخطوطے مل جاتے هیں ورنه ان کے دور حیات اور اس کے بعد کی صدی میں برصغیر کا بہت کچھ علمی و ادبی سرمایه تلف هو گیا ـ جیسا که مولانا صباح الدین نے لکھا (تبصره ص ٣٤) ان ملفوظات کے جعلی هونے کے دلائل کی ضرورت ہے ـ ذیل کے اقتباس کی رو سے مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن ١٩٥٠ء سے اس قبیل کی تحقیق سے منسلک رهے ـ اس سے ان کی کتاب ,, بزم صوفیه ،، کے ایک ضمیمه کا سیاق واضح هو جاتا ہے :

,, همارے مصنف نے امیر خسرو کی **افضل** الفوائد کو ایک جعلی کتاب قرار دیا ہے (ص ٢٠٩) مگر اس سلسلے میں کوئی علمی بحث کرنے کے بجائے صرف اپنا فیصله صادر کرکے آگے بڑھ گئے هیں ـ ان کی یه کوئی نئی تحقیق نهیں ـ ایک بہت هی پرانی بات دهرا دی گئی ہے ـ اکتوبر ١٩٥٠ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے رساله ,,مڈیول انڈیا کوارٹرلی ،، میں وهاں کے پروفیسر محمد حبیب نے خواجگان چشت کے ملفوظات کے بعض مجموعوں کے ساتھ افضل الفوائد کو بھی جعلی قرار دے دیا تھا ـ راقم نے اس کی تردید ,,معارف،، میں مضامین لکھے تھے جو اس کی کتاب ,, بزم صوفیه ،، کے آخر میں بھی شامل کر دیئے گئے هیں ـ اس جواب سے یه فائده هوا که ان ملفوظات کو قطعی جعلی سمجھنے کے بجائے ان کے مستند یا غیر مستند هونے پر بحث جاری ہے (دیکھو رساله مُنادی کا بابا فریدؒ نمبر

۱۹۷۴ء) افضل الفوائد کے ساتھ راحت المحبین کو بھی امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی نشان دہی جناب محمد سعید احمد مارہروی نے اپنی کتاب امیر خسرو میں یہ لکھ کر کی کہ امیر خسرو نے اس کو افضل الفوائد کے بعد مرتب کیا (حیات خسرو در امیر خسرو مرتبہ شیخ سلیم احمد ص ۲۳۹، تبصرہ ص ۳۸ تا ۴۰) ظاہر ہے کہ سید صباح الدین کا خسرو شناسی ۱۹۵۰ء سے بھی فراتر اور اقدم ہے۔

۳ ۔ مولانا شہاب ؟ یا مہمرہ ؟

امیر خسرو نے اپنی بعض کتابوں میں اپنے ایک استاد مولانا شہاب الدین کا ذکر کیا ہے۔ مثنوی ہشت بہشت میں جو خمسہ خسرو کا جزو ہے، وہ صراحت کرتے ہیں کہ ان کے اس استاد نے اس مثنوی کی اصلاح کی تھی۔ مولانا شہاب الدین علم و فضل اور شعر میں زبردست دسترس رکھنے کے باوجود کوئی معروف اور شناختہ شخص نہیں ۔ اس عصر کے ایک عالم و فاضل شخص جو عظیم شاعر بھی بتائے جاتے ہیں ، مولانا شہاب الدین مہمرہ تھے جنہیں بدایونی لکھا جاتا رہا ہے۔ مہمرہ کی نسبت مجہول ہے اور اس عالم شاعر کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں ۔ ان کا کلام بھی تھوڑا ہی دستیاب ہے۔ تاہم وہ امیر خسرو کی توصیفات سے ابعد نہیں بلکہ قریب تر ہیں ۔ سید صباح الدین لکھتے ہیں (تبصرہ ص ۴۰) کہ اگر شہاب الدین کا عصر زندگی واضح ہو سکے تو وہ امیر خسرو کے استاد قرار پاسکتے ہیں، مگر پروفیسر ممتاز حسین کو اس نسبت سے بلاوجہ انکار ہے (ان کی کتاب ص ۳۷) قرائن تاریخی سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمرہ، امیر خسرو سے عمر میں اتنے بڑے تھے کہ وہ ان کے استاد مانے جا سکتے ہیں ۔ ۶۳۳ھ میں بقول ملا عبدالقادر بدایونی (منتخب التواریخ) مہمرہ نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا قصیدہ

لکھا تھا ۔ یہ بادشاہ مذکورہ سال کے صرف دس ماہ حکمران رہا تھا ۔ امیر خسرو اس واقعہ کے ۱۸ سال بعد پیدا ہوئے ۔ ۷۰۱ ھ میں انہوں نے هشت بہشت کی اصلاح کی ۔ خسرو نے اس مثنوی کو نظامی کی مثنوی ھفت پیکر کے جواب میں لکھا اور اس کے ۳۳۵۰ شعر ھیں ۔ بہرحال مولانا شہاب الدین مہمرہ اگر ۷۰۱ھ یا اس سے چند سال بعد تک زندہ رہے ھوں ، تو وہ خسرو کے عصر سے مطابقت رکھتے ھیں۔ ان کی عمر ۱۰۰ کے لگ بھگ ھو سکتی ہے (۸) (اس عصر میں امیر خسرو کے نانا تو ۱۱۲ برس کی عمر میں فوت ھوئے تھے) ۔

۴ ۔ تحقیقی شتر گربگی :

ھر کام میں نیت اھم ھوتی ہے ۔ فرمودہ رسولؐ ہے : انما الاعمال بالنیات ۔ امیر خسرو دھلوی ، نام کی کتاب کے مصنف کے مقاصد و اھداف جدت و تجدد پر مبنی تھے ۔ اس لئے ان کی کتاب میں توصیف و تنقیص اور تمدیح و تنقید کی عجیب شتر گربگی نظر آتی ہے ۔ وہ کہیں کہیں امیر خسرو کی تعریف کر گئے ، مگر دوسری جگہ اس کی تلافی کرلی ۔ مولانا سید صباح الدین ان کی طنز کو ,, سفاکانہ ،، قرار دیتے ھیں (ص ۲۲، ۲۳) وہ خسرو کے کلام کو عارفانہ بھی مانتے ھیں مگر اسے عاشقانہ اور فاسقانہ بھی قرار دیتے ھیں (کتاب ص ۱۱۱) ۔ وہ امیر حسن سجزی دھلوی کے بھی خلاف ھیں اور امیر خسرو کے بارے میں معاصرین کی آراء سے اغماض کرکے متاخرین کے مطالب نقل کر دیتے ھیں مولانا سید صباح الدین لکھتے ھیں کہ مصنف نے اس بات سے کوئی تاثر نہیں لیا کہ ,, امیر خسرو اپنی ساری تصنیفی زندگی کے دوران حضرت خواجہ نظام الدین سے بیعت رھے ۔ وہ دربار اور خانقاہ میں بیک وقت وارد ھوئے ۔ مولانا ضیاء الدین برنی (و ۷۵۸ھ) صاحب تاریخ فیروز شاھی ، دھلی میں بستی نظام الدین میں ھی مدفون ھیں ۔ انہوں نے امیر خسرو ، خواجہ حسن اور خود

اپنی دوستی کا ذکر نہایت دلآویزی سے کیا ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین نے ان معاصر روایات کو درخور اعتنا نہیں جانا ۔ وہ امیر خسرو کے حاصل کردہ انعام واکرام کی غلط تاریخیں لکھتے اور ان سے بڑھ کر غلط نتیجہ گیری کرتے ہیں ۔ یہ طویل تبصرہ از اول تا آخر خواندنی ہے۔ خسرو شناسی کے اعتبار سے اس موقر حصار تحریر میں بظاہر کوئی نمایاں رخنہ ڈالنا مشکل ہوگا ۔ ہم اس کا اختتامیہ نقل کرکے اپنی گزارش کو ختم کر رہے ہیں ۔ اس اختتامیے میں علامہ اقبال کے دو شعر نقل کئے گئے ، ایک ارمغان حجاز سے ان کی دوبیتی کا ہے اور دوسرا ان کی پہلی مثنوی اسرار خودی کا ۔ البتہ مولانا سید صباح الدین نے توجہ نہیں فرمائی کہ دوسرے شعر کو ، اقبال کے تین دوسرے شعروں کے ساتھ ، مصنف نے ,, خسرو ، اقبال کی نظر میں ،، کے عنوان سے کتاب کے شروع میں درج کر دیا ہے مگر اس سلسلے میں غالب کا شعر ھی عقدہ کشائی کرے گا :

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مصنف کے انگریزی کتابچے ,, امیر خسرو دھلوی ،، (سعد پبلی کیشنز کراچی ۱۹۸٦ء) سے معلوم ھوا کہ وہ ماشاء اللہ اب اقبال پر بھی ایک کتاب لکھ رہے ہیں :

لالہ ایں چمن آلودۂ رنگ است ہنوز

پسر از دست مینداز کہ جنگ است ہنوز

(اقبال)

اب مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن رحمۃ اللہ کے ,, تبصرے،، کا اختتامیہ ملاحظہ ہو :

,,ہمارے مصنف کو امیر خسرو کے عشقیہ اشعار میں گوشت و پوست کے محبوب کا عشق اور سراپا ھی نظر آتا ہے۔ ان کے وجدان

میں کسی کو کیا دخل ہے مگر علامہ محمد اقبال کو خسرو کے عشق میں عشق الہی ھی نظر آیا اور خداوند تعالی سے خسرو ھی کے ایسا سوز عطا کرنے کے لیے دعا بھی مانگی ۔

عطا کن ، شور رومی، سوز خسرو

عطا کن صدق و اخلاص سنائی

علامہ محمد اقبال نے خسرو کو رومی اور سنائی ھی کی صف میں لاکھڑا کیا ہے اور خسرو کا وہ سوز وھی ہے جس کے متعلق ھمارے مصنف کے قلم سے خدا جانے یہ کیسے نکل گیا ہے کہ معلوم نہیں وہ کونسی آگ تھی جو ان کے یعنی خسرو کے دل کو چھو گئی اور وہ ساری عمر اس آگ میں جلتے رہے ، تب ھی تو شیخ نظام الدین اس ترک جگر دار کے سوز دل کے صلہ میں اپنی مغفرت کی دعا مانگا کرتے ، (ص ٤٣٦) اور اگر ھمارے مصنف اقبال کے ساتھ خسرو کا گہرا مطالعہ کریں تو ان کو پتہ چلے گا کہ اقبال نے خسرو کے تخیل عشق سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ تب ھی وہ سوز خسرو کے طلب گار ہوئے ھیں .. خسرو کے ھاں بھی عشق و عقل کی وھی جنگ ہے جو اقبال کے یہاں ہے ۔ خسرو عشق کی سلطانی کو ھر حال میں قائم رکھتے ھیں، عقل سے کوئی مصالحت نہیں کرتے ۔ اقبال نے آخر میں عقل (٩) سے مصالحت کر لی ہے۔ پھر خسرو کے یہاں انسان کامل کا وھی تصور ہے جو اقبال کے یہاں ہے ۔ خود مصنف کو بھی اعتراف ہے کہ خسرو انسان کو اس کے مقام کبریائی سے آشنا کرتے ھیں ۔ وہ اس کو بتاتے رہے ھیں کہ تو اس اضافت کو کیوں فراموش کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونکی (ص ٣٨٣) ۔

مصنف کی ابھی بہت سی باتوں کی طرف توجہ دلائی جا سکتی ہے مگر یہ تبصرہ اور بھی طویل ھو جائے گا ۔ اس کو پڑھ کر ھمارے ناظرین مصنف کتاب کا مطالعہ کرکے خود فیصلہ کریں کہ اس

میں امیر خسرو کی کیسی تصویر پیش کی گئی ہے۔ کیا اس کے ذریعہ خسرویات کے لٹریچر میں مفید اضافہ ہوا ہے اور کیا تحقیق کے فن ، میں اس کی وجہ سے وزن اور وقار بڑھا ہے ؟ آخر میں یہ کہنا ہے کہ کوئی امیر خسرو کی کتنی ھی عیب جوئی کرے ، ان کے مداح مولانا ضیاء احمد برنی کے اس بیان میں تھوڑی ھی ترمیم کرکے محظوظ ہوتے رھیں گے کہ خدا کی قسم اس نیلے آسمان کے نیچے ان کے جیسا کوئی ہے یا کہ نہیں یا کوئی تھا یا نہیں یا کوئی ہوگا کہ نہیں ۔ اور ھاں ، مولانا شبلیؒ کی اس رائے سے خسرو شناس لذت لیں گے کہ ,,ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات پیدا نہیں ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف جامع ایران کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو چار ھی پیدا کئے ھوں گے ،، اور علامہ محمد اقبال نے امیر خسرو سے متعلق جو اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ۔

فطرتش روشن مثال آفتاب گشت از بہر سفارت انتخاب

اس کو ھمارے مصنف ذرا غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ انھوں نے امیر خسروکی تصویرکس رنگ میں پیش کی ہے۔ آزادی رائے کے اس دور میں مصنف کو حق تھا کہ خسرو کے متعلق جو چاھیں لکھیں مگر ان کی کتاب کی نوعیت اس حیثیت سے بدل جاتی ہے کہ یہ نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ اگر یہ کتاب اس کی طرف سے شائع نہ ہوتی تو اتنا طویل تبصرہ بھی نہ لکھا جاتا ۔

یاد آتا ہے کہ جب اسلام آباد میں ۱۹۷۵ء میں خسرو کے جشن کی سات سو سالہ قومی اور بین الاقوامی تقریبات منائی گئیں تو ان میں امیر خسرو کے متعلق بعض مندوبین نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن کو سن کر اس ملک کے مشہور طنز نگار ابن انشاء نے لکھا تھا

که امیر خسرو نے سات سو سال میں جو کچھ حاصل کیا تھا ، اس کو اس قومی اور بین الاقوامی سیمینار میں چھین لینے کی کوشش کی گئی ۔ امیر خسرو پر کسی کتاب کے لکھنے اور اس کو شائع کرنے میں اس طنز کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ،، (تبصرہ ص ۴۸ تا ۵۰) ۔ اس عبارت کو پڑھ کر فرخی سیتانی (و ۴۲۹ھ) کا ایک شعر یاد آ رہا ہے که :

هر ستر گزے که باعلم وفضل گشت بزرگ
نشود خرد به بدگفتن فلاں و بہمان

یعنی جسے علم و فضل کے ذریعے عظمت ملی ہو ، وہ فلاں اور بہماں (وغیرہ وغیرہ) کی برائی سے بے وقعت اورچھوٹا نہیں ہو جائے گا ۔

اقبال شناسی، ,,زندہ رود پر تبصرہ ،، :

,, زندہ رود ،، علامه اقبال کا افلاکی نام ہے جس سے وہ ,, جاوید نامه ،، میں موسوم رہے ھیں ۔ علامه کے فرزند عزیز ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال نے اس عنوان سے ان کے احوال و آثار و افکار قلم بند کئے ھیں ۔ مصنف مدتوں اس کتاب کا مساله جمع کرتے رہے ۔ انہیں اس ضمن میں خصوصی مراعات اور سہولتیں بھی حاصل تھیں جس سے انھوں نے استفادہ کیا ۔ کتاب تین جلدوں میں مکمل ہوئی ۔ اس کا فارسی ترجمه چار جلدوں میں چھپا ۔ سید صباح الدین نے تینوں جلدوں پر جداگانه تبصرے کا التزام کیا کیونکه ھر جلد دوسری سے چند ساله وقفے کے بعد شائع ہوئی ہے ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز نے ۱۹۷۹ء میں پہلی جلد جو شائع کی اس پر سید مرحوم کا تبصرہ جولائی ۱۹۸۰ء کے سه ماھی اقبال ریویو میں شائع ہوا ۔ ۱۶ صفحوں پر مشتمل یه تبصرہ (ص ۹۵ تا ۱۱۱) کتاب کے اھم مطالب کا خوب ترجمان ہے ۔ یه جلد اقبال کے تشکیلی دور پر مشتمل ہے (ابتدا تا ۱۹۰۸ء) دوسری جلد وسطی دور کی حاکی ہے (۱۹۲۵ء) جبکه

آخری تیسری جلد جو ضخیم تر ہے ۱۹۲۵ء تا ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء تک کے شاعر اسلام کی فکری اور عملی روئداد پیش کرتی ہے۔

سید صباح الدین اقبال شناس ہونے کے علاوہ اقبال کے ارادت مند بھی تھے ۔ لہذا مصنف سے وہ کیا تعرض کرتے ۔ یہاں امیر خسرو کی سی کیفیت تھی ھی نہیں کہ انہیں کسی مغرضانہ تصنیف سے ردوکد کا واسطہ پڑتا ۔ جلد اول پر تبصرے کے آخر میں انہوں نے لکھا ۔ :

,, ممکن ہے کہ لکھنو اور دھلی کی زبان کے جویاؤں کو اس کتاب میں زبان کی کچھ خامیاں نظر آئیں ۔ اس کے مصنف کے والد بزرگوار کی شاعری میں ایسے لوگوں کو زبان کی کمزوریاں نظر آتی تھیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر ان کی زبان بند کی تھی :

اقبال لکھنو سے نہ دلی سے ہے غرض
هم تو اسیر هیں خمِ زلف کمال کے

اس کتاب کی زبان کے ناقدین کو ڈاکٹر جاوید اقبال بھی یہی کہہ سکتے ھیں ۔ اس تقریظ کو پڑھتے وقت بعض قارئین کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس میں صرف مدح و ستائش کے ہار گوندھے گئے ھیں، تنقیص کی کہیں چنگاریاں نہیں ھیں ۔ مگر یہ راقم اس کا کیا کرے کہ اس کو علامہ اقبال سے عشق ہے ۔ جب ان کی کہانی ان کے لائق فرزند کی زبانی بیان ہوئی تو اس میں اس راقم کو وھی لذت ملی جو کسی رند بلا نوش کو شیشہ و ساغر کی محفل میں مئے دو آتشہ اور سہ آتشہ کے دور میں ملتی ہے ع

جو عشق جانگداز ہو تو عشق باز کیا کریں

سید صباح الدین کا اظہار ارادت بجا مگر ,, زندہ رود " مجموعی طور پر ایک اعلی پایے کی کتاب ہے ۔ اس کی جلد اول پر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے ۱۹۸۱ء میں مصنف کو دس ہزار روپے کا انعام دیا تھا ۔ بعد میں ۱۹۸۷ء میں وزارت تعلیم نے پوری کتاب پر ۴۰ ہزار روپے کا انعام دیا ۔

علامه اقبال تسلسل حیات اور خودی کے استدام کا موضوع بیان کرنے کے لئے ندی اور دریا کی روانی کا استعارہ بار بار استعمال کرتے رہے ۔ ,,جوئے آب ،، اگر دریائے رواں سے نه مل سکے اور خشک زمین کو سیراب کرتے کرتے جذب ہوکے رہ جائے تو یه بات ان کے تصور بیخودی سے مطابقت رکھتی ہے که ,, فرد ،، معاشرے کے کام آیا ۔ زبور عجم میں ہے ۔

اے خوش آں جوئے تنک مایه که از ذوق خودی
در دل دریا فرو رفت و بدریا نرسید

ترجمه : وہ کم آب ندی مبارک ہے جو ذوق خودی سے خاک میں جذب ہو گئی اور دریا (سمندر) تک نه پہنچی ۔

اس نقطه نظر سے ان کا نام ,, زنده رود ،، بڑا معنی خیز ہے ۔ جاوید نامه میں وہ اس سے خاطر خواہ استفاده کرتے ہیں ۔ رومی کہتے ہیں که اقبال کے مستعار نام ,, زنده رود ،، کی اساس اس شاعر کا سرعت اندیشه اور بے نیازی ہے :

تند سیر اندر فراخائے وجود — من زشوخی گویم اورا زنده رود
(فلک عطارد)

مرد بے پروا ونامش زنده رود — مستی او از تماشائے وجود
(فلک مریخ)

سلطان شہید ٹیپو ایک مقام پر ,, دریائے کاویری ،، کو پیغام دیتے ہیں اور فرماتے ہیں که ,, زنده رود ،، ہونے کی بنا پر اس صاحب پیغام شاعر اور ان کے دار الحکومت سرنگاہ پٹم سے گذرنے والے اس دریا میں خوش آئند معنوی ربط ہے ۔ ؎

در جہاں او زنده رود تو زنده رود — خوشترک آید سرود اندر سرود

دوسری طرف دریائے زیست کی روانی اقبال کے اردو ساقی نامه (بال جبریل) کے آغاز میں زیاده شدومد کے ساتھ مذکور ہے اور ان اشعار

کی بازگشت مولانا سید صباح الدین کے تبصرہ زندہ رود (جلد اول)
میں منعکس ہے۔

وہ جوئے کہستان اچکتی ہوئی — اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اچھلتی، پھسلتی، سنبھلتی ہوئی — بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ — پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام — سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

ان منتشر اشارات کے بعد اب ,, زندہ رود ,, جلد اول پر تقریظ کا آغاز دیکھیں اور مولانا سید صباح الدین کی موثر ادبیت پر سر دھنیں

,, علامہ محمد اقبال کی جاوید نامہ میں جو مختلف کردار ھیں، ان میں ایک زندہ رود بھی ہے جو خود علامہ ھیں ۔ ان کی اس سوانح حیات کا یہ نام رکھ کر ان کے لائق فرزند نے ان ھی کی طرح اپنی جدت ذھن کا ثبوت دیا ہے ۔ ,, زندہ رود ,, کے معنی مسلسل بہتی ہوئی حیات آفریں ندی بتائے گئے ھیں جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اچکتی ، اٹکتی ، لچکتی ، سرکتی، اچھلتی، پھسلتی اور بڑے پیچ کھا کر پہاڑوں کو چیرتے ہوئے بہتی ہے ۔ ,, زندہ رود ,, پڑھ کر یہ اثر قائم ہوا کہ اس کی تحریر اچکتی، اٹکتی، مچلتی، اچھلتی، سنبھلتی اور بڑے پیچ کھا کر کر تاریخی، سیاسی اور معاشرتی واقعات کے تودوں کو چیرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ,, (اقبال ریویو مذکورہ تاریخ کا شمارہ صفحہ ۹۵ ، ۹٦) ۔

زندہ رود کی جلد اول پر زیادہ تبصرہ استحسانی اور توصیفی نوعیت کا ہے۔ مولانا سید صباح الدین نے کتاب کے اھم نکات کو مزید آشکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے تبصرے اصل کتاب کے ساتھ ساتھ مطالعہ کرنے میں مفید ھیں ، مثلاً :

,,ان کے بعض اشعار سے یہ تاثر بھی پیدا ھوتا ہے کہ ان کے نزدیک فلسفہ ایسے علوم پر ان کے عبور کا سبب ان کا برھمن نسب

ہونا تھا مگر انھوں نے فلسفے کو خود ھی دینی رھبری کی خاطر ناکافی پاکر مسترد کر دیا ۔ ان کے تجربے میں تو عشق رسولؐ ایسی نعمت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے تمام فکری مسائل کو حل کر سکتے تھے ۔ اس لئے قرآنی تعلیمات سے ان کا شغف اسلام کے ساتھ ان کی محبت اور مسلمان ہونے پر ان کا فخر وہ فطری عناصر تھے جس سے ان کی شخصیت کی تشکیل ہوئی ،، (ص ١٦) یہ ایسا جامع اور پر مغز تبصرہ ہے جس سے اس شاعر اسلام کے افکار کو صحیح طور پر سمجھنے میں پوری مدد ملے گی اور یہ ان کی ذات اور ان کے کلام کا ایک معرف شخص ھی کر سکتا ہے ،، ۔ (اقبال ریویو ص ۹۹ ، ۱۰۰)

اقبال کے قیام یورپ کے ,, زندہ رود ،، میں ذکر کے بارے میں تبصرہ کا یہ اظہار نظر کتنا دلاویز ہے : ,, علامہ جب یورپ روانہ ہوئے ھیں ، تو اس کی تفصیل کتاب کے چھٹے باب میں آ گئی ہے اور جب وہ کیمبرج ، ھائیڈل برگ اور میونخ وغیرہ میں قیام کرتے ھیں تو اس کی کہانی کتاب کے آخری یعنی ساتویں باب میں ہے ۔ ان تمام تفصیلات کو لکھنے میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا قلم ایک افسانہ نویس اور ناول نگار کے قلم میں تبدیل ھو جاتا ہے اور اس کو پڑھتے وقت وھی لطف ملتا ہے جو کسی اچھے ناول نگار کی تحریر میں ملا کرتا ہے ۔ ان دونوں ابواب کی بہت سی باتیں اقبال کے اور سوانح نگاروں کی تحریروں میں نہیں ملیں گی اور اگر ھوں گی بھی تو ان کے پیش کرنے کا وہ رومانی اور کیف آگیں انداز نہیں جو اس کتاب میں ہے ،، (ص ۱۰۸) ۔

مولانا سید صباح الدین کی اقبال شناسی کہیں کہیں کتاب کے بعد کے ابواب کی پیشن گوئی کر گئی اور ایسے موقع پر وہ اقبال کے اشعار کی نثر میں ترجمانی کرتے نظر آتے ھیں ۔ ایک مثال پر اکتفا ھوگا :

,,وہ اس وجودی تصوف سے بیزار ہو گئے جس کی حکمت ملکوتی اور علم لاہوتی میں حرم کے درد کا درماں نہیں اور جس کی تعلیم میں ذکر نیم شبی، مراقبے اور سرور ہیں مگر اس سے دل یا نگاہ مسلمان نہیں بنی۔ یا اس وجودی فلسفے سے بے رغبتی ظاہر کی جس سے اسلاف کا جذب دروں حاصل ہوتا ہو نہ جس سے زمرہ لایحزنون میں شریک ہونے کی تڑپ پیدا ہوتی ہو۔ جس میں خرد کی گتھیاں سلجھا کر صاحب جنون ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہو یا جس میں مٹے ,, لا الہ الا ھو ،، پی کر من و تو کی تفریق مٹ جاتی ہو یا جس سے وہ فقر حاصل ہوتا ہے جس کے ہزاروں مقام میں روح قرآنی بے پردہ نظر آتی ہے۔ یہ وہ بحث ہے جو ممکن ہے کہ اس کتاب کی دوسری جلد میں پڑھنے کو ملے .... ،، (اقبال ریویو ص ۱۰۹ ، ۱۱۰)۔

اقتباس بالا میں مبصر نے ضرب کلیم اور بال جبریل کے بالترتیب مندرجہ ذیل اشعار کا نثری روپ اور ان کی تحلیل لفظی پیش کی ہے۔

یہ حکمت ملکوتی ، یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی ، ترے یہ مراقبے یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۱۰)

عطا اسلاف کا ذوق جنوں کر
شریک زمرہ ,,لا یحزنوں ،، کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا ، مجھے صاحب جنوں کر

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھے مئے لا اله الا ھو (۱۱)
کسے خبر که هزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں بے پردہ ہے روح قرآنی (۱۲)

جلد دوم :

زنده رود جلد اول پر تبصره ، اقبال ریویو میں شائع هونے سے قبل ماهنامه ,, معارف ،، بابت جون ۱۹۸۰ء میں شائع هوا تھا ـ جلد دوم پر ان دونوں مجلوں میں یک زماں شائع هوا (جنوری ۱۹۸۲ء) ـ ,, اقبال ریویو ،، کی طویل تقطیع میں یه ۳۹ صفحات پر مشتمل ہے ـ ,, زنده رود ،، جلد دوم ۱۹۸۱ء میں شائع هوئی تھی ـ

اس تقریظ میں اهم اور مفصل علمی اور سیاسی بحثیں در آئی هیں ـ هم یہاں چند امور کی طرف اشاره هی کر سکیں گے ـ تبصرے سے معلوم هوتا ہے که مبصر ۳۲ ـ ۱۹۳۳ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اعلی جماعتوں کے طالب علم تھے (اقبال ریویو ص ۷۹) ابتداء میں وه لکھتے هیں که وه اس کتاب پر تبصره نہیں ایک مستقل مقاله لکھ رهے هیں کیونکه کتاب کی اهمیت اس کی متقاضی ہے ـ ,, راقم اس طرح اپنے کا وه کاٹنے اور اپنے قلم کے چھلاوه پن کے لئے معذرت خواه ہے ،، (ص ۹٦) ـ کتاب کے مطالب کی تحلیل پیش کرنے کے علاوه مبصر کی بعض ضمنیات خواندنی هیں ـ مسئله وحدت الوجود ، اسلام کا نظام حکمرانی ، جمہوریت یا ملوکیت، اقبال کی اردو اور انگریزی نثری تحریریں (۱۹۰۸ ـ ۱۹۲۵ء)، معرکه خودی ، اقبال کا تصور عشق اور اقبال کی اشتراکیت اور سرمایه داری کی مخالفت اس ضمن کے چند عنوانات هیں ـ مولانا سید صباح الدین لکھتے هیں که وحدت الوجود کی ایک توجیهه کے اقبال خلاف تھے ورنه ان کا تصور عشق آخر الامر وحدت وجود کا هی ترجمان نظر آتا

ہے۔ پھر بڑے بڑے ثقہ صوفیہ اور علماء اس تصور کے قائل رہے ہیں۔ وہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے سے استمداد کرتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث رسولؐ میں ملوک کا ذکر ہے اور اسلامی مدنیت نے اب تک ملوک کو یہاں اور وہاں برداشت کر رکھا ہے۔ ایران کے نامور دانشور ڈاکٹر سید حسین نصر بھی ہم سے یہی کہا کرتے تھے۔ اقبال بہرحال یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کی روح ایک روحانی جمہوریت اور نظام شورائی کی متقاضی ہے۔ اس موضوع پر کافی لکھا بھی جا چکا ہے۔ اس جلد کی تقریظ میں مبصر نے مصنف پر کچھ لفظی گرفت بھی کی ہے۔ ,, علما کی موقع پرستی " اور ,, صوفیہ کی شعبدہ بازی " (زندہ رود جلد ۲ ص ۱۸۲) کے الفاظ ان کے خیال میں ایسی متین کتاب میں نہیں لانے چاہئیں۔ اسی طرح نثر و نظم سے کام لینے کو لوگوں نے ,, تخلیق " کہنا شروع کر دیا جو ایک ملحدانہ تصور ہے۔ ,,تخلیق" خالق کا کام ہے دوسرے تو خدا داد صلاحیت سے مطالب کی ترتیب نو ہی کرتے ہیں۔ (ص ۱۱۲)۔ امور سیاست میں اقبال کے موقف کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے :

,,ڈاکٹر صاحب عملی سیاست میں تو زیادہ پیش پیش نہیں رہے، لیکن وہ ہر سیاسی معاملے میں اپنی خاص رائے رکھتے تھے۔ مثلاً وہ خلافت عثمانیہ کا کوئی مستقبل نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی بجائے وہ برٹش کامن ویلتھ کی طرح مسلم کامن ویلتھ چاہتے تھے۔ ان کی زندگی میں یہ خواب پورا نہ ہو سکا مگر آج کل اسلامی ممالک کے سربراہوں کی اجتماعی کوشش میں اس خواب کی تعبیر نظر آتی ہے۔ مسئلہ خلافت پر ہندوؤں کے ساتھ مل کر عدم تعاون کی تحریک میں مسلمانوں کی شرکت کے خلاف رہے اس لئے کہ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر قومیت متحدہ کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کر دیں " (ص ۱۲۹) ۔

دسمبر ۱۹۱۱ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دھلی میں مولانا شبلی نعمانی نے علامہ اقبال کو پھولوں کا ھار پہنایا اور انھیں ,, ترجمان حقیقت " کا لقب دیا تھا ۔ اس موقع پر بڑی فکر انگیز تقاریر ھوئیں اور قوم نے جواں سال شاعر اور مصنف سے ایسی توقعات وابستہ کی تھیں جن سے وہ غالباً زیادہ فائق نکلے ۔ پاکستان میں یہ روئداد گذشتہ دھے سے معروف رھی ، مگر دار المصنفین والوں کو، بشمول مولانا سید صباح الدین ، اس کا علم پہلی بار ,, زندہ رود " جلد دوم سے ھوا ۔

بھارت کے مسلمان بظاھر ابھی دو قومی نظریے کی افادیت کا احاطہ نہیں کر سکے ۔ علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے برصغیر کے ماحول میں اس نظریے کو جس طرح پیش کیا ، وہ ایک حقیقت ہے اور یہاں ایک سے زیادہ مسلم ریاستیں قائم ھو جانے یا ھمارے داخلی تنازعات سے اس نظریے کی نفی نہیں ھوتی ۔ ,, جواب شکوہ " میں ہے ع

نشہ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے (۱۳)

بہرحال سید مرحوم کے سے الفاظ ھم نے اوروں سے بھی سنے ، اس لئے انھیں نقل کر دیتے ھیں :

,,البتہ مسلم قومیت کی جو ترویج ڈاکٹر صاحب نے کی تھی ، ان کے زمانے میں ضرور ابھری اور پاکستان کی تحریک اور اس کے قیام پر ختم ھو گئی ۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد یہ مسلم قومیت مشرق بنگال میں بوڑھی گنگا اور برھم پتر میں جا کر غرقاب ھوئی اور سندھ میں غول بیابانی بن کر منڈلا رھی ہے ۔ بلوچستان کی پہاڑیوں سے بھی ٹکرا رھی ہے اور سرحد کی سرزمین

میں خاک آلود ہو رہی ہے " (ص ۱۱۰) ۔ مگر اس قسم کے یاس انگیز تاثرات سے روح اقبال گویا یوں مخاطب ہے کہ ؎

کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے
ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے

جلد سوم :

,,زندہ رود " جلد سوم **۱۹۲٦** تا **۱۹۳۸**ء حیات اقبال کو محیط ہے۔ کمیت کے اعتبار سے یہ پہلی دونوں جلدوں کے لگ بھگ ہے اور کیفیت کا اندازہ اس کے محتویات سے کیا جا سکتا ہے۔ البتہ سید صباح الدین کا اس پر تبصرہ بالنسبہ مختصر ہے۔ جون **۱۹۸٦**ء کے ,,اقبالیات"(سابق اقبال ریویو) میں **۲۸** صفحے اس تقریظ یا تبصرہ کے لئے مخصوص ھیں ۔ (ص ۱۵۵، ۱۷۳) ۔ ابتداء میں تقریظ نگار نکتہ آفریں بن کر حضرت علامہ اور ان کے صاحبزادے کے نادر فضائل گنواتے ھیں :

,,, انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں جو ارباب کمال مسلمانوں کی زندگی کے معمار بنے ان میں سے کسی کے فرزند ارجمند کو اپنے والد بزرگوار کی سوانح عمری لکھنے کی سعادت اور توفیق نہیں ہوئی ۔ علامہ محمد اقبال اس لحاظ سے خوش نصیب باپ ھیں کہ ان کے لائق فرزند نے سوانح عمری لکھ کر نہ صرف ان کی روح کو خوش کیا بلکہ ان کی ملت کو ایک بیش بہا اور دل نواز تحفہ پیش کیا ۔ یہ وھی جاوید اقبال ھیں جن کو مخاطب کرکے ان کے والد بزرگوار نے کہا تھا ۔

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ وگل سے کلام پیدا کر
میں شاخ خاک ہوں، مری غزل ہے مرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر

یہ تینوں جلدیں لکھ کر اس کے مصنف نے دل فطرت شناس کا ثبوت دیا ہے اور اپنے والد بزرگوار کی زندگی کے سکوت لالہ و گل سے ہم کلام ہو کر اور ان کے خیالات کی شاخ اور ان کے افکار کی غزل کے ثمر سے مئے لالہ فام (۱۴) پیدا کر دیا ہے ،، (اقبالیات ص ۱۵۵) ۔

تقریظ نویس ۱۹۲۶ تا ۱۹۳۸ء میں دور شباب میں تھے اور اس زمانے کے واقعات کے ناظر ۔ ان کا ادبی ذوق کس قدر جالب ہے کہ وہ کتاب کے اسلوب کے بارے میں بجا فرماتے ہیں کہ : ,, یہ مصنف کی بہت کم سنی کا زمانہ تھا لیکن اس کے لکھنے میں ان کا انداز آنکھوں دیکھا حال کا سا ہے ۔ یہ ان کی محنت اور تحریر کی خوبی ہے ،، (ص ۱۵۶) ۔ اس سے چند سطر پیشتر انھوں نے لکھا تھا : ,, پہلی اور دوسری جلدوں کی طرح اس کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کو پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کوئی مثنوی پڑھ رہے ہیں جس میں اس کا ہیرو کبھی سیاست کے میدان عمل میں دکھائی دیتا ہے کبھی بچوں کا شفیق باپ نظر آتا ہے اور کبھی اس کا دل کون و مکان کے راز مضمر کو فاش کرکے ایک ابدی پیغام چھوڑنے کے لئے متفکر ہے۔

ان تمام باتوں کو قلم بند کرنے میں لائق مصنف نے کبھی اپنی بذلہ سنجی، کبھی طرز ادا کی خوش سلیقگی، کبھی تحریر کی شگفتگی کا وھی انداز اختیار کیا جو ان کے والد بزرگوار نے اپنے بارے میں کہا تھا ,, کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ،، (۱۵)

سید مرحوم نے تصور و قیام پاکستان کی بات مصلحتاً مختصر کی۔

وہ مصنف سے خر سند ہیں کہ انھوں نے سیاست پاکستان کی خوب قلعی کھولی ہے مگر قیام پاکستان کے خونچگان واقعات انھوں نے بالاجمال ھی لکھے ھیں ۔ اس جلد میں مذکور سیاسی واقعات کے عنوانات کا خلاصہ انھوں نے یوں لکھا ہے :

,,عبدالرشید کے ہاتھوں سوامی شردھانند کا قتل ، شدھی اور سنگھٹن کے جواب میں مسلمانوں کی تبلیغ اور تنظیم، جداگانہ اور مخلوط انتخاب کا جھگڑا بمبئی سے سندھ کو الگ کرنے (کو سمجھانا)، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دستوری اصلاحات کا نفاذ، پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلم اکثریت کی بحالی ، مرکزی اسمبلی میں مسلم نمائندوں کے تناسب کا مطالبہ، کشمیر کی آزادی کی تحریک، ,, رنگیلا رسول، کے مصنف کا قتل ، سائمن کمیشن کی آمد پر تعاون اور عدم تعاون کا سوال، آل پارٹیز کانفرنس کی تجاویز، نہرو رپورٹ، محمد علی جناح کے چودہ نکات، گول میز کانفرنس ، شاردابل ، احمدی تحریک کے خلاف شورش، مسلم لیگ کی دھڑابندی ، مولانا محمد علی کی وفات، محمد علی جناح کی بددلی .... اقبال کا اسلامی ریاست کا تصور ... „ (ص ۱۵۷) تقریظ نگار کی یہ رائے قابل لحاظ ہے کہ ,, زندہ رود „ میں اقبال کے سفروں کی روئدادیں اگر علیحدہ کرکے شائع کر دی جائیں تواسفار اقبال کی ایک دلچسپ کتاب بن سکتی ہے (ص ۱۵۹) ۔ ابدیت اقبال کا بیان مولانا مرحوم کی زبان میں یوں بیان ہوا ہے :

,,یہ ابدیت ... بانگ درا کے ہر شعر میں محفوظ ہے „ اسرار خودی اور رموز بیخودی کے جریدے میں اس کا دوام ثبت ہے ۔ پیام مشرق کی سطروں میں اس کو پیغام بقا مل چکا ہے ۔ یہ زبور عجم کی ہواؤں میں ہمیشہ سنائی دے گا ۔ جاوید نامہ میں زندہ جاوید رہے گا ، بال جبریل کے نغموں میں سرمدی رہے گا ، اس کی ضرب کلیم کے ذریعے اس کا ھنگامہ خاموش برپا رہے گا ۔ ارمغان حجاز سے اس کے افکار کا ارمغان حاصل ہوتا رہے گا „ (ص ۱۵۹) ۔ تصانیف اقبال کا یہ ذکر پڑھ کر علامہ سید سلیمان ندوی کا نثری مرثیہ ,,اقبال„ یاد آتا ہے جو مئی ۱۹۳۸ء کے ماہنامہ ,, معارف „ میں شائع ہوا اور کئی کتب

میں نقل ہوتا رہا ہے۔ چند جملے یہ تھے : ,, اس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگ درا ، اس کے جان حزین کی ہر آواز زبور عجم ، اس کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق، اور اس کے شعر کا ہر پر پرواز ,, بال جبریل » تھا » ۔

بہرحال ، سید مرحوم ایک چابکدست ادب شناس تھے ۔ قارئین ان کی عبارت کا حسن ملاحظہ کر سکتے ھیں ۔ اسی آخری اقتباس کو دیکھیں ۔ ,, جریدے میں اس کا دوام ثبت ہے » اس حصے میں مثلاً حافظ شیرازی کے درج ذیل شعر کی طرف اشارہ ہے۔

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد زعشق ثبت است بر جریده عالم دوام ما

تقریظ کے آخر میں مبصر نے علامه اقبال کے تفکر کے ان پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق فلسفه ، الهیات ، علم کلام اور عام علوم اسلامیه سے ہے۔ انھوں نے علامه مرحوم کے سات انگریزی خطبات کا لب لباب پیش کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کی مساعی اور اهلیت کو خاص طور پر سراها ہے۔ زنده رود بلاشک ایک معروضی، دلآویز اور اعلی تحقیقی کتاب ہے مگر مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن کا یہ تبصرہ بھی ایک جداگانہ کتابچے کی صورت میں شائع کئے جانے کا متقاضی ہے۔

مولانا ماهر القادری کی نثر و نظم :

سید صباح الدین کی ادبی تحریریں دیکھتے دیکھتے ماهنامه ، فاران کے ماہر القادری نمبر (دسمبر ۱۹۷۸ء) پر نظر پڑی جس میں ان کا ۱۳ صفحے کا ایک مضمون درج ہے (۲۷۵ تا ۲۸۷) اس کا عنوان ہے ماہر القادری ، ایک باغ و بہار شخصیت ، راقم ماہر مرحوم کا معاشر اور نیاز مند رہا اور ان کی اکثر کتابیں اور تحریریں اس کے تصاحب میں هیں مگر سید صباح الدین کے جامع تاثر سے تعجب هوا ۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم ہر موضوع پر ممکنہ مواد جمع کرکے قلم اٹھاتے تھے ۔ اسی لئے انھوں نے ہر موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ اپنے اس تاثراتی مضمون میں انھوں نے ماہر کی نثر و نظم ، ان کے سفروں اور ان کے دیگر اوصاف کے بارے میں خوب نکتہ آفرینی کی ہے۔ یہ مضمون ,,یاد رفتگان ,, کے مصنف کے شایان شان ہے۔ اس کے ذریعے کوئی سلیقے کا انشائیہ لکھنا سیکھ سکتا ہے۔

ابتداء میں اس بات کا ذکر ہے کہ مضمون نویس اور ماہر القادری (اصل نام منظور حسین ۱۹۰۶ء تا ۱۹۷۸ء) ۱۹۳۵ء سے پہلے کے ایک دوسرے کے متعارف تھے اور ۱۹۷۵ء کے بعد کراچی وغیرہ میں اکثر ملتے رہے ۔ ماہر زبان درست لکھنے اور بولنے پر بہت زور دیتے ۔ وہ بدعات اور عجمی تصوف کے خلاف تھے ۔ وہ ایک جہاں دیدہ شخص تھے ۔ اندرون برصغیر کے علاوہ انھوں نے شرق و غرب کے اکثر ممالک میں گذر کیا ۔ البتہ حرمین شرفین کی غیر معمولی محبت نے انھیں بطحا میں ہی پیوند خاک کر دیا ۔ ان کے کئی افسانے اور ناول شائع ہوئے ۔ ان کے چار مجموعہ ہائے کلام شائع ہوئے جن میں ایک ,,فردوس,, کے نام سے موسوم ہے ۔ ,, ظہور قدسی ,, کا نام انھوں نے مولانا شبلی کی سیرت النبی سے مستعار لے کر ۹۰ ابیات کی حامل ایک نعت لکھی ۔ یہ نعت اور ان کا , سلام, بے حد معروف اور ایمان کی حلاوت سے لبریز ہیں ۔ ۱۹۴۸ء میں وہ بھارت سے ہجرت کرکے کراچی آ گئے اور یہاں سے ماہنامہ ,, فاران ,, نکالا جو بڑی باقاعدگی سے نکلتا رہا ۔ اس کے توحید اور سیرت نمبر کتب حوالہ کا مقام رکھتے ہیں ۔ ,, نقش اول ,, کے علاوہ ,, یادرفتگان,, اور ,, ہماری نظر میں ,, (تبصرے) اس کے مستقل عنوان تھے ۔ ماہر القادری ، علامہ اقبال کے ارادت مند تھے ۔ اقبال پر ان کی کئی نظمیں ہیں ۔ ایک نظم کا انتخاب مولانا سید صباح الدین کے تعارف کے ساتھ

ملاحظه هو : ,, اقبال کے بہت معترف تھے ۔ کہتے کہ میر کی شاعری آہ ہے سوداؔ کی واہ تو اقبال کی شمع راہ ہے۔ رومی نے مسلمان کو ولی اللہ بنانے کی کوشش کی تو اقبال نے کافر کو مسلمان بنایا ۔ اقبال کی وفات پر انھوں نے ایک غم ناک نظم بھی لکھی تھی جس کے چند اشعار یہ ھیں ۔

کارواں خواب میں تھا ,,بانگ درا،، سے پہلے
ساز میں سوز بھی تھا تیری نوا سے پہلے
اللہ اللہ ترا قافلہ نطق و کلام
,,بال جبریل ،، کے سایہ میں ھوا گرم خرام
صرف مشرق ھی نہیں مغرب کو بھی پیغام دیئے
نگہ وفکر پر ,,اسرار خودی،، فاش کیئے
تو کبھی شعلہ رقصاں، کبھی رفتار نسیم
موج کوثر ترے اشعار کہیں ,, ضرب کلیم،،
ترے شعروں میں کہیں معرکہ بدر و حنین
کہیں ایمان براھیمؑ، کہیں عزم حسینؓ
اس لئے ہے تری ایک ایک بات مجھے قبول
ترا سرمایہ دانش تھا فقط عشق رسولؐ
محفل رومی و عطار تھی مدت سے خموش
ترے نغموں نے بنایا اسے ھنگامہ جوش

(فاران دسمبر ۱۹۷۸ء صفحہ ۲۷۸)

سید مرحوم نے بجا لکھا ہے کہ ,, فاران ،، میں مندرج ماھر القادری کے مضمون کتابی صورت میں شائع ھوں خصوصاً اس رسالے کا عظیم ,, سیرت نمبر ،، ۔ وہ لکھتے ھیں : ,, ان کا سفر نامہ ،، کاروان حجاز،، ان کے تمام دینی خیالات کا کشکول ہے ،، (ص ۳۸۵) ۔ اس کے بارے میں مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن کی چند سطور اور ماھر

القادری مرحوم کے چند ایمان پرور اشعار کو راقم اس شذرہ کا اختتامیہ بنا رہا ہے۔ اس یاد داشت کے ذریعے اس امر کو خاطر نشین کرنا تھا کہ سید مرحوم و مغفور عالم ادب ھی نہ تھے، ادب کی اداؤں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل بھی کر سکتے تھے :

,,کاروان حجاز میں.... وہ لکھتے نہیں دکھائی دیتے ھیں بلکہ جن لوگوں کو ان کی صحبت میں ان کی باتیں سننے کا اتفاق ھوا ہے، ان کو ان کے پڑھنے میں محسوس ھوگا کہ وہ بول رھے ھیں اور لوگ ان کو سن رھے ھیں ۔ انھوں نے پورا سفرنامہ بہت ھی والہانہ انداز میں لکھا ہے۔ جب وہ حرم شریف پہنچے تو فجر کی نماز کے لئے اذان ھوئی ۔ ان کو اس میں بڑی دلکشی محسوس ھوئی ۔ صبح کا سہانا وقت تھا ۔ ابوقبیس کی چوٹیوں پر سپیدہ سحر کے آثار کا آغاز ھو رہا تھا ۔ حرم کے درودیوار میں ان کو بجلیاں نظر آئیں ۔ بیت اللہ کی جلالت شان اور سیاہ غلاف کے سکوت کا باوقار منظر ان کے لئے جنت نگاہ بن گیا ۔ اس وقت بہت سے اشعار قلم بند کئے جن میں سے کچھ یہ ھیں :

حرم میں اذان سحر اللہ اللہ
که ھیں وجد میں بام و در اللہ اللہ
یہ میزاب رحمت، وہ رکن یمانی
مقامات اھل خبــر اللہ اللہ
دھڑکتے ھوئے دل کا لے کر سہارا
مناجات باچشم تر اللہ اللہ
تجلی میں دھوئے ھوئے سنگریزے
یہاں کے نجوم و قمر اللہ اللہ
مقام براھیمؑ پر یہ نمازیں
بہ ھر سجدہ معراج سر اللہ اللہ

جلال الٰہی کی تابندگی میں
جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ
وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت
مسلسل ہے پیش نظر اللہ اللہ،،
(ص ۲۸۳)

مصادر اور اشارات

۱ ۔ اقبال کے ہاں خواجہ بدر، حضرت سرور کائنات ہیں ۔ جاوید نامہ (آنسوئے افلاک) سلطان شہید ٹیپو کے بارے میں فرماتے ہیں :

از نگاہ خواجہ بدر و حنین　　فقر سلطان وارث جذب حسین

۲ ۔ دیکھئے راقم کا مقالہ سہ ماہی ،،اقبال،، لاہور : امیر خسرو کی نثر و نظم کا ایک جائزہ (انگریزی) جولائی ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۷ تا ۵۸ ۔

۳ ۔ مجلہ دانش اسلام آباد خزاں ۱۹۸۷ء ، ابتدائی ۴۰ صفحے

۴ ۔ اصل لفظ س ج ز (سجز) ہے ۔ سجستان اور سگستان ، سیتان کے ہی نام ہیں ۔

۵ ۔ ملاحظہ ہو غالب کے دیوان فارسی مطبوعہ ۱۸۶۲ء کا دیباچہ

۶ ۔ مجلہ دانش ، حوالہ ۳ بالا صفحہ ۲۱۔

۷۔ علمی حلقے ان کو ایسا ہی سمجھتے رہے ہیں ۔

۸ ۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ از ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی اور ڈاکٹر محمد ریاض سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۴ء ص ۱۹۰ ، ۱۹۱ ۔

۹ ۔ یہ بات مولانا سید صباح الدین یوں ہی لکھ گئے ہیں ۔

۱۰ ۔ ضرب کلیم ، کلیات اقبال اردو ، لاہور ۱۹۷۳ء ، صفحہ ۴۹۶ ، ۴۹۷ ۔

۱۱ ۔ بال جبریل ، ایضاً صفحہ ۳۰۵ ۔

۱۲ ۔ ضرب کلیم ، ایضاً صفحہ ۴۹۳ ۔

۱۳ ۔ پورا بند یوں ہے :

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے　　نشہ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے　　عصر نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

۱۴ ۔ مئے لالہ فام، ڈاکٹر جاوید اقبال کے مضامین اور تقاریر کا مجموعہ ہے جو کئی بار شائع ہوا ہے۔

۱۵ ۔ یہ مصرع بال جبریل کی نظم : ،،جاوید،، سے ہے (ص ۱۱۷ ۔ ۳۰۹) ۔ پورا شعر یوں ہے:

ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال　　کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ وشگفتہ دماغ